

آخری سبق

اُس روز صبح کو میں بہت دیر میں اسکول روانہ ہوا تھا۔ اور دل ہی دل میں سہم رہا تھا کہ ماسٹر صاحب آج ضرور بگڑیں اور برسیں گے۔ زیادہ ڈر اس خیال سے تھا کہ موسیو ہیمبل نے کہہ رکھا تھا کہ آج وہ ہم سے گردائیں سنیں گے اور میری یہ کیفیت تھی کہ ان کا ایک لفظ بھی یاد نہ تھا۔ ذرا دیر کو یہ خیال میرے دل میں آیا کہ بھاگ چلوں اور آج کا دن کہیں ادھر ادھر پھر کر گزار دوں۔ سردیوں کا ہلکا ہلکا گرم اور روشن دن تھا۔ بن کے کنارے چڑیاں درختوں پر چہچہا رہی تھیں۔ پکی کے پچھواڑے کھلے میدان میں جرمن سپاہی قواعد کر رہے تھے۔ یہ چیزیں گردانوں سے بہت زیادہ ترغیب انگیز تھیں۔ لیکن میں دل کا اتنا کمزور نہ تھا کہ خواہشوں پر غالب نہ آسکتا۔ چنانچہ میں جلدی جلدی قدم اٹھا کر اسکول روانہ ہو گیا۔

میں ٹاؤن ہال کے سامنے سے گزر رہا تھا۔ تو میں نے دیکھا کہ جس تختے پر اشتہار لگائے جاتے ہیں اس کے سامنے لوگوں کی ایک بھیڑ لگی ہوئی ہے پچھلے دو سالوں سے جو بڑی خبر بھی آئی تھی وہ اشتہارات کے اسی تختے پر سے پہلے پہل پڑھی گئی تھی۔ فوجی افسروں کے احکامات وغیرہ۔ چنانچہ گزرتے گزرتے میں نے سوچا اب کیا قصہ ہو گیا؟

میں بڑی بھرتی سے قدم اٹھائے چلا جا رہا تھا کہ واچ لوبار نے جو اپنے ایک شاگرد سمیت وہاں موجود تھا۔ اشتہار پڑھنے کے بعد پکار کر مجھ سے کہا:

’میاں صاحبزادے اتنی جلدی میں کیوں ہو۔ اسکول پہنچنے کے لیے بہت وقت ہے۔‘

میں نے سوچا۔ یوں ہی میری ہنسی اڑا رہا ہے۔ چنانچہ میں نے اس کی پروا نہ کی۔ اور ہانپتا کانپتا موسیو ہیمبل کے ننھے سے باغیچے میں جا پہنچا۔ عام طور پر جب اسکول میں پڑھائی شروع ہوتی تھی تو ایسی گہما گہمی سی ہو جاتی تھی جس کی آواز باہر سڑک پر سے سنائی دیتی تھی۔ کہیں ڈسک کھلتے اور بند ہوتے تھے۔ کہیں سب مل کر بڑی اونچی آواز میں سبق دہراتے اور ہاتھ کان پر رکھ لیا کرتے تھے کہ زیادہ اچھی سنائی دے۔ ساتھ ساتھ استاد کا بھاری رول ہار ہار

میز پر برستار رہا کرتا تھا۔ لیکن آج ہر طرف چپ چاپ تھی۔ میرا خیال تھا کہ شور و غل میں بغیر کسی کو نظر پڑے اپنے ڈسک پر جا بیٹھوں گا۔ یہ کیا معلوم تھا کہ مدرسے میں آج انوار کی سی خاموشی کا عالم نظر آتا ہے۔ کھڑکی سے جھانکا تو دیکھا کہ تمام ہم جماعت اپنی اپنی جگہ پر بیٹھ چکے ہیں اور موسیو ہنمل لوہے کا ہیبت ناک رول بغل میں دبائے جماعت میں ادھر ادھر ٹہل رہے ہیں۔ اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ دروازہ کھول کر سب کی نظروں کے سامنے اندر داخل ہوں۔ آپ خود تصور فرما سکتے ہیں کہ شرم اور خوف کے مارے میری کیا حالت ہو رہی ہوگی۔

پر کچھ بھی نہ ہوا۔ موسیو ہنمل نے مجھے دیکھا اور بڑی شفقت سے کہا: 'فریئر میاں! جلدی سے جا کر اپنی جگہ پر بیٹھ جاؤ۔ ہم تمہارے بغیر ہی سبق شروع کرنے والے تھے۔'

میں جلدی سے بیچ پھلانگ کر گزرا اور اپنی جگہ پر جا بیٹھا۔ جب ڈر ذرا کم ہوا اور میرے حواس درست ہو گئے تو اس وقت میں نے دیکھا کہ ماسٹر صاحب نے اپنا خوش نما ہرا کوٹ جھار دار قمیض اور سیاہ ریشم کی ٹنھی سی کا مدار ٹوپی پہن رکھی ہے۔ یہ وہ لباس تھا جسے وہ صرف معائنہ یا تقسیم انعام کے روز پہنا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ تمام مدرسہ کچھ عجیب طرح انوکھا اور متین سا نظر آ رہا تھا۔ لیکن جس بات پر مجھے سب سے زیادہ اچنبھا ہوا۔ وہ یہ تھی کہ کچھلی نشیمن جو عام طور پر خالی رہا کرتی تھیں۔ آج ان پر ہماری طرح گاؤں کے دوسرے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ بوڑھا ہوسر اپنی ٹکون ٹوپی پہنے بیٹھا تھا۔ اس کے علاوہ شہر کا پرانا میسر، پرانا پوسٹ ماسٹر اور کئی لوگ بھی موجود تھے۔ ہر شخص اداس نظر آتا تھا۔ بوڑھا ہوسر بازار سے ایک قاعدہ لے آیا تھا۔ اسے کھول کر اپنے زانوؤں پر رکھ لیا تھا اور اس کے صفحوں پر اس کی عینک رکھ ہوئی تھی۔

میں ان انوکھی باتوں پر حیران ہی ہو رہا تھا کہ موسیو ہنمل اپنی کرسی پر بیٹھ گئے اور اسی متین و شفیق آواز سے جس میں مجھ سے بات کی تھی۔ بولے:

'میرے بچو! آج میں تمہیں آخری سبق دوں گا۔ برلن سے احکام آچکے ہیں کہ الساس اور لورین کے مدرسوں میں صرف جرمن زبان پڑھائی جائے کل نیا ماسٹر آجائے گا۔ یہ تمہارا فرانسسی کا آخری سبق ہے۔ میں چاہتا ہوں۔ آج تم بہت متوجہ رہو۔'

یہ لفظ کیسے بجلی کی طرح میرے دل پر گرے۔ آہ آپ کم بختو۔ اسی بات کا اعلان تم نے ٹاؤن ہال کے باہر لگا

رکھا تھا۔

میرا فرانسیسی کا آخری سبق ا مجھے تو ابھی لکھنا بھی نہ آیا تھا۔ اب میں کچھ بھی نہ سیکھ سکوں گا، جہاں ہوں وہیں رک کر رہ جاؤں گا۔ مجھے کتنا قلق ہوا۔ میں اپنا سبق یاد نہ کیا کرتا تھا۔ گھونسلوں سے چڑیوں کے انڈے پڑانے اور دوسرے کھیلوں میں وقت کھونے نکل جایا کرتا تھا۔ کتابیں جو ذرا دیر پہلے میرے لیے مصیبت بن رہی تھیں اور اٹھائے نہ اٹھتی تھیں۔ گرامر اور فرنیچ کی کتابیں اب ایسی پرانی دوست معلوم ہو رہی تھیں کہ جن سے رشتہ توڑنا کسی طرح ممکن نہ نظر آتا تھا۔ اس طرح موسیو ہیمل کی بابت یہ خیال کہ وہ اب جا رہے ہیں اور پھر کبھی نہ ملیں گے، ان کے رول اور ان کی سخت مزاجی کی یاد کو دل سے مٹائے دے رہا تھا۔

کم نصیب شخص! اس آخری سبق کے اعزاز میں آج تو نے بہترین جوڑا پہن رکھا ہے۔ اب میں نے سمجھ لیا کہ شہر کے بوڑھے آج کیوں پچھلی نشستوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ آج انہیں بھی وہ رہ کر قلق ہو رہا تھا کہ زیادہ دنوں اسکول کیوں نہ گئے؟ وہ اپنے طریق پر اس شخص کا شکریہ ادا کر رہے تھے جس نے چالیس سال تک نہایت خلوص و دیانت سے ان کی خدمات انجام دی تھیں۔ وہ اپنی سمجھ کے مطابق اس مادر وطن کی تعلیم کرنے کو جنج ہوئے تھے جس کے وہ اب مالک نہ رہے تھے۔

میں یہ سب کچھ سوچ ہی رہا تھا کہ اتنے میں میرا نام لیا گیا۔ اب سبق سنانے کی میری باری تھی۔ اس وقت کوئی مجھ سے میرا سب کچھ لے لیتا۔ اور تمام خوفناک گردانیں مجھے کسی ایسی طرح سکھا دیتا کہ میں بلند آواز سے واضح طور پر بغیر کسی غلطی کے انہیں دہرا سکتا۔ لیکن چند لفظ ہی بول کر میں رہ گیا۔ دونوں ہاتھوں سے ڈسک کو پکڑ رکھا تھا۔ دل دھڑک رہا تھا۔ نظریں اٹھانے کی جرأت نہ پڑتی تھی۔ موسیو ہیمل نے مجھ سے کہا:

’فرنیچ! میں تمہیں برا بھلا نہ کہوں گا۔ تمہارا جی برا ہوگا لیکن دیکھو۔ ہر روز تم اپنے دل میں کہتے رہے کہ ابھی بہت وقت پڑا ہے۔ میں کل اپنا سبق یاد کر لوں گا اور آج اس کا کیا نتیجہ نکلا۔ آہ! الساس کی سب سے بڑی بد نصیبی یہ ہے کہ وہ اپنی تعلیم کو کل پر ڈالتا رہتا ہے۔ اب دشمن کیا کہا کریں گے کہ یہ لوگ اپنے آپ کو کہتے تو فرانسیسی ہیں لیکن انہیں نہ فرانسیسی بولنا آتا ہے نہ لکھنا۔ لیکن ننھے ننھے اس میں صرف تیرا ہی قصور نہیں، ہم سب کے سب مجرم ہیں۔‘

’تمہارے ماں باپ کو تمہیں تعلیم دینے کا کچھ زیادہ شوق نہ تھا۔ وہ اس بات کو ترجیح دیتے کہ تم کسی کھیت یا چکی میں کام شروع کر دو گھر کی آمدنی میں تھوڑا بہت اضافہ ہو جائے۔ اور میں؟ میں بھی قصور وار ہوں۔ کئی مرتبہ بجائے اس کے میں تمہیں سبق پڑھاؤں میں نے تم سے یہ نہیں کہا کہ جاؤ میرے ہانچے کے گلوں میں پانی دے آؤ؟‘

جب میں مچھلی کے شکار کو جانا چاہتا تو اس روز اسکول میں چھٹی نہ کر دیتا تھا؟

اس طرح ایک بات سے دوسری بات نکالتے نکالتے موسیو ہیمل نے فرانسیسی زبان پر گفتگو شروع کر دی اور کہا کہ یہ دنیا کی سب سے پیاری سب سے واضح اور منطق کے مطابق زبان ہے۔ اس وقت اس بے بس زبان کی حفاظت اور اسے اپنے میں زندہ رکھنا ہمارا فرض ہے۔ جو غلام تو میں اپنی زبان کو یاد رکھتی ہیں، اپنے قید خانے کی چابکدہ گویا ان کے ہاتھ میں رہتی ہے۔ اس کے بعد موسیو ہیمل نے قواعد کی کتاب کھولی اور ہمیں سبق پڑھایا۔ میں حیران تھا کہ آج سبق کیوں دل میں اترا جا رہا ہے وہ کچھ بھی کہتے۔ بہت سہل اور آسان معلوم ہوتا تھا۔ میرا یہ بھی خیال کہ نہ میں نے اپنا سبق کبھی ایسی توجہ سے سنا تھا اور نہ کبھی انہوں نے اسے صبر اور تحمل سے پڑھایا تھا۔ ایسا معلوم ہوا تھا کہ رخصت ہو جانے سے پیشتر یہ دردمند شخص چاہتا ہے کہ جو کچھ خود جانتا ہے ہمیں بھی سکھلا دے اور کسی طرح سب باتیں ایک ہی بار ہمارے دلوں میں اتار دے۔

قواعد کے بعد ہمیں خوش خطی کا سبق ملا۔ اس روز موسیو ہیمل ہمارے لیے نئی کاپیاں لائے تھے۔ جن پر الفبہ فرانس الساس فرانس الساس بڑے خوش خط لکھے ہوئے تھے۔ ہمارے ڈسک کے اوپر ننھی ننھی چھڑیاں کھڑی کر کے کاپیاں ان پر ٹانگ دی گئی تھیں اور نگلی ہوئی وہ ایسی معلوم ہوتی تھیں گویا تمام کمرے میں ننھی ننھی جھنڈیاں لہرا رہی ہیں۔ اس روز آپ دیکھتے کہ ہر طالب علم کس طرح اپنے کام میں مصروف تھا اور جماعت میں کیسا سکوت طاری تھا آواز تھی تو محض قلم کے کاغذ پر چلنے کی۔ ایک بار چند بھونے کمرے میں گھس آئے پر کسی نے ان کا خیال بھی نہ کرنا ننھے ننھوں نے بھی ان کی طرف توجہ نہ کی۔ وہ اپنی کاپیوں میں مچھلی پکڑنے کی کارٹونی تصویر ایسے انہماک سے ترا کر رہے تھے گویا یہ بھی فرانسیسی سیکھنے کا ایک حصہ تھا۔ باہر چھت کے کنگروں پر کبوتر بیٹھے ہلکے ہلکے غرغروں غرغروں کر رہے تھے۔ میں نے اپنے دل میں کہا:

’یہ لوگ کبوتروں کو بھی جرمن میں غرغروں کرنا سکھائیں گے؟‘

جب کبھی میں لکھائی کے کام پر سے سر اٹھاتا تو دیکھتا کہ موسیو ہیمل بے حس و حرکت کرسی پر بیٹھے ہیں ایک چیز کو کھینچتے ہیں کبھی دوسری کو گویا یہ بات اپنے دل میں جا لینا چاہتے ہیں کہ اس ننھے سے کمرے میں ہر چیز نظر آرہی ہے۔ سوچتے تو اچالیس سال تک یہ شخص یہیں رہا تھا۔ سامنے جماعت بیٹھی رہتی تھی اور درپچوں میں اس کا ننھا ہانچہ نظر آیا کرتا تھا۔ ڈسکیں اور بیچ اس کی نظروں کے سامنے گھس کر پرانے ہو گئے تھے۔ ہانچے میں

کے بیڑ اس کے دیکھتے دیکھتے بلند ہوئے تھے۔ انگور کی سیلیں جو خود اس نے اپنے ہاتھ سے لگائی تھیں، درپچوں کے گرد بل کھاتی ہوئی چھت تک جا پہنچی تھیں۔ ہائے ان سب چیزوں کو چھوڑ کر چلے جانے۔ سے اس کا دکھیا دل کیسا خون خون ہو رہا ہوگا۔ اوپر کی منزل میں اس کی بہن کے ادھر ادھر پھرنے کی آواز آرہی ہوگی وہ اسباب باندھنے میں مشغول تھی۔ بس اگلے دن اس شخص کو الساس سے رخصت ہو جانا تھا۔

لیکن پھر بھی اس شخص میں اتنا حوصلہ تھا کہ آخری دم تک ہر سبق سنتا رہا۔ خوش خطی کے بعد ہمیں تاریخ کا سبق ملا اور اس کے بعد ننھے بچے ابجد دہراتے رہے۔ پچھلی نشتوں میں اب بوڑھے ہوسر نے عینک لگائی تھی اور اپنا قاعدہ دونوں ہاتھوں سے سنبھال کر بچوں کے ساتھ بچوں کی مشق کر رہا تھا۔ آپ موجود ہوتے تو دیکھتے وہ پڑھ رہا تھا اور رورہا تھا۔ اس کی آواز شدت جذبات سے کانپ رہی تھی۔ ایسی عجیب معلوم ہوتی تھی کہ کبھی ہم چاہتے نہیں پڑیں اور کبھی چاہتے کہ اس کے ساتھ مل کر رونے لگیں۔ آہ! وہ آخری سبق مجھے کبھی اچھی طرح یاد ہے۔

اتنے میں گھڑی نے بارہ بجائے۔ اس کے ساتھ ہی جرمن سپاہیوں کے ہنگل کی آواز سنائی دی۔ وہ قواعد سے فارغ ہو کر باہر گذر رہے تھے۔ موسیو ہنسل کرسی پر سے اٹھ کھڑے ہوئے۔ اس وقت ان کے چہرے کا رنگ پیرکا پڑ گیا تھا۔ مگر جیسے بلند و بالا وہ اس وقت نظر آتے تھے پہلے کبھی نظر نہ آئے تھے۔

وہ بولے: 'میرے دوستو! میں..... میں..... کسی چیز نے ان کا گلا گھونٹ دیا تھا وہ اور کچھ نہ بول سکے پھر وہ بلیک بورڈ کی طرف مڑ گئے۔ چاک کا ایک ٹکڑا لیا اور اپنی پوری قوت سے کام لے کر جس قدر بڑے الفاظ میں لکھ سکتے تھے۔ انہوں نے بلیک بورڈ پر لکھ دیا۔

’زندہ باد فرانس!‘

پھر وہ رک گئے۔ اپنا سر دیوار سے ٹیک دیا اور بغیر کوئی لفظ منہ سے نکالے صرف ہاتھ سے اشارہ کیا۔ جس کے معنی تھے۔ ’اسکول بند ہو گیا۔ اب تم جا سکتے ہو۔‘

لفظ و معنی



ڈر -
حکم -

ہم
احکام

ہیبت ناک	-	خوف ناک
حواس	-	ہوش
نصیب	-	مقدور
جرات	-	ہمت
قوت	-	طاقت
مشغول	-	مصروف
شدت	-	تیزی

آپ نے پڑھا

□ فرانسیسی افسانہ نگار کا یہ افسانہ ایک سبق آموز کہانی ہے۔ درس و تدریس سے متعلق یہ ایک کہانی ہے جس میں طلبہ کو درس و تدریس کے عملی تجربہ سے روشناس کرایا گیا ہے۔ فرانس کے ملک میں ایک استاد اسکول میں فرانسیسی زبان کی تعلیم دے رہے تھے۔ کہانی کے پس منظر میں آج استاد کے درس کا آخری سبق تھا جس میں استاد کے طویل تدریسی عمل کا ذاتی تجربہ بھی تھا اور دوسری طرف انواع و اقسام کے طلبہ سے ملنے کا مشاہدہ بھی تھا۔ یہ فرانسیسی زبان اور اسی ملک کے سماجی پس منظر کی کہانی ہے جس کا یہ اردو ترجمہ ہے۔

آپ بتائیے

1. طالب علم کس کے خوف سے سہم رہا تھا؟
(الف) ماسٹر کے (ب) ہیڈ ماسٹر کے (ج) مونٹر کے (د) اپنے گارجین کے
2. طالب علم کے دل میں ڈراویر کے لیے کیا آیا؟
(الف) بھاگ جانے کا (ب) اسکول نہ جانے کا (ج) بھیگ جانے کا (د) بخار آ جانے کا
3. ماسٹر صاحب کے کوٹ کا رنگ کیا تھا؟
(الف) لال (ب) ہرا (ج) پیلا (د) نیلا
4. ماسٹر صاحب نے کیسے رنگ کے ریشم کی ٹوپی پہن رکھی تھی؟
(الف) سبز ریشم (ب) سیاہ ریشم (ج) سفید ریشم (د) نیلے ریشم

5. ماسٹر صاحب نے بلیک بورڈ پر کیا لکھ دیا؟

(الف) زندہ باد فرانس (ب) زندہ باد جرمن (ج) زندہ باد جاپان (د) زندہ باد روس

مختصر گفتگو

1. کہانی 'آخری سبق' کے مصنف کا نام کیا ہے؟

2. مصنف کی تاریخ پیدائش کیا ہے؟

3. فرنیئر کو قواعد کے بعد کون سا سبق ملا؟

4. موسیو ہیمیل کون تھے؟

5. درج ذیل الفاظ کی جمع بنائیے۔

حکم، لفظ، قدم، طرف، سبق

تفصیلی گفتگو

1. 'آخری سبق' کے مصنف کے بارے میں چند جملے لکھیے۔

2. 'آخری سبق' کا خلاصہ لکھیے۔

3. کہانی 'آخری سبق' سے آپ کو کیا نصیحت ملتی ہے؟

4. کہانی 'آخری سبق' کا موضوع کیا ہے؟

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد سے پوچھ کر چند فرانسیسی کہانی کاروں کے نام لکھیے۔

2. حب الوطنی کے موضوع پر دس جملے لکھیے۔

3. دنیا کے نقشہ پر فرانس کو تلاش کیجیے۔

باد پیمپا کی یہ دلربا کہانی

سترہویں صدی کے وسط تک سائنس دانوں کا خیال تھا کہ قدرت میں خلا (Vacuum) کے لیے زبردست دہشت ہے۔ یہ عقیدہ کہ قدرت خلا کو ناپسند کرتی ہے۔ (Nature abhors a vacuum) پمپ کی کارکردگی کی بنیاد ہے۔

پمپ میں ایک لمبا پائپ ہوتا ہے جس کا ایک سر اس پانی میں ڈوبا رہتا ہے جس کو نکالنا ہوتا ہے۔ جبکہ دوسرا سر اہرل یا اسطوان (barrel or cylinder) سے جڑا ہوتا ہے جب پمپ کے ہینڈل (Handle) کو اوپر نیچے کیا جاتا ہے تو سلنڈر میں ایک جزوی خلا پیدا ہو جاتا ہے۔ قدیم زمانے کے سائنس دانوں کا خیال تھا کہ چونکہ قدرت کو خلا ناپسند ہے۔ اس لیے اس خالی جگہ کو پُر کرنے کے لیے پانی اوپر چڑھ آتا ہے۔

ایک روایتی کہانی کے مطابق 1640 میں لکسنی (Duke of Tuscany) کے گرانڈ ڈیوک نے اپنے محل کی زمین میں کنواں کھدوانے کا فیصلہ کیا۔ مزدوروں کو زمین اس سے زیادہ کھودنی پڑی جتنی کہ عموماً ضرورت پڑتی تھی کیونکہ پانی ان کو اس وقت تک نہیں ملا جب تک انہوں نے زمین چالیس فٹ گہرائی تک نہیں کھودی۔ پھر ایک پمپ بنایا گیا جس کا پائپ پانی میں ڈوبا ہوا تھا۔ تب پانی اوپر لانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن پانی اوپر نہیں آیا اور سب لوگ حیرت میں پڑ گئے۔ ان لوگوں نے کئی گنا طاقت سے ہینڈل کو اوپر نیچے کیا لیکن کئی بار کی کڑی محنت کے باوجود پانی اوپر نہیں آیا۔ تب لوگوں نے خیال کیا کہ شاید پمپ (Pump) میں کچھ نقص ہے لیکن غور سے دیکھنے کے بعد بھی کچھ گڑبڑ معلوم نہیں ہو سکی۔

ڈیوک کو اس واقعہ کی اطلاع دی گئی۔ لیکن وہ بھی مزدوروں کی طرح اس کا سبب سمجھنے میں قاصر رہا۔ اس زمانے میں بہت سے ذی حیثیت لوگ جیسے ڈیوک مشہور سائنس دانوں کے سرپرست بن جاتے تھے یعنی وہ ان کو ایک معقول مشاہرہ دیا کرتے تھے تاکہ وہ اپنی روزی دوسرے ذرائع سے کمانے سے سبکدوش ہو کر اپنی تمام تر توجہ

انسانی معلومات پر لگا سکیں۔ پمپ کے واقعہ کو ناکام ہونے کے کئی برس قبل گیلیلیو کو گرانڈ ڈیوک کا فلاسفر اور غیر معمولی صاحب دماغ مقرر کیا گیا تھا۔ اس لیے اس مسئلہ کو حل کرنے کے لیے ڈیوک اس طرف رجوع ہوا۔

یہ دیکھا گیا کہ پامپ اٹھارہ ہتھیلیوں (Eighteen Palms) تقریباً 33 فٹ پامپ پر اٹھا، اس سے زیادہ نہیں۔ گیلیلیو نے اس کی وضاحت اس طرح کی کہ قدرت نے اگرچہ خلا کو ناپسند کیا لیکن اس کی ناپسندیدگی اس وقت تم ہو جاتی ہے جب پانی ہتھیلیوں تک یا اس سے آگے گہرائی تک پہنچ جاتا ہے۔ لیکن بذات خود اس دلیل سے برہم نہیں تھا کیونکہ وہ ایک ضعیف انسان تھا۔ اس لیے اس نے اپنے ایک شاگرد جس کا نام ٹورسلی (Torriselli) تھا، اس کو مسئلہ کا حل نکالنے کے لیے کہا۔

ٹورسلی نے اپنا کام اس اصول پر شروع کیا کہ ایک پمپ ایک بھاری رقیق کو اتنی اونچائی تک نہیں اٹھا سکتا جتنا کہ ایک ہلکے رقیق کو۔ اس لیے اس نے پارے کو اس مقصد کے لیے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا۔ کیونکہ پارہ اسی حجم کے پانی سے ساڑھے تیرہ گنا بھاری ہوتا ہے۔ اس لیے اس کو امید تھی کہ پمپ پارے کو زیادہ سے زیادہ 33 فٹ تک تقسیم یعنی تقریباً 1030 انچ اٹھا سکے گا پارے کو استعمال کرنے کا ایک بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ 33 فٹ لمبی ٹلی کے بجائے تقریباً ایک گز لمبی ٹیوب کافی ہوگی۔ جس کو استعمال کرنا آسان ہوگا۔

اس نے ایک کانچ کی ٹلی لی۔ جس کا ایک سرابند تھا۔ پہلے اس نے ٹیوب کو پوری طرح پارے سے بھر لیا اور اس کے بعد کھلے سرے پر اپنا انگوٹھا لگا کر اسے بند کر دیا اور اوندھا کر دیا اور ٹلی کو پارے سے بھرے ایک پیالے میں ڈبو دیا۔ اس طرح اس کا کھلا سر ازیر سطح رہا۔ جب اس نے اپنے انگوٹھے کو پارے کے کالم کے کھلے سرے سے اٹھایا تو وہ 30 انچ کا کالم موجود تھا اور ٹلی کے اوپر جہاں پہلے سے کچھ پارہ تھا، اب خالی جگہ تھی۔ جسے بعد میں ٹورسلی (Torricellian Vacuum) کہا گیا۔

اس تجربہ کے بہت عرصہ پہلے گیلیلیو نے دکھایا تھا کہ ہوا میں دیگر اشیا کی مانند وزن ہوتا ہے جو کہ پیالے میں پارے کی سطح پر کام کر رہا تھا۔ ٹیوب سے پارے کو گرنے سے روکنے کے لیے کام کر رہا ہے جب ٹیوب میں موجود پارے کا وزن پیالے میں موجود پارے کی سطح پر موجود ہوا کے دباؤ سے متوازن (Balanced) ہو جاتا ہے تو ٹیوب میں سے پیالے میں نیچے نہیں گرتا۔

ٹورسلی اب اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا کہ پمپ کی ناکامی کی وجہ وثوق کے ساتھ بیان کر سکتا تھا۔ اس نے بتایا

کہ کنویں میں پانی کے اوپر موجود ہوا کا دباؤ اتنا ہے کہ وہ صرف ساڑھے تیرہ گنا یعنی 30 انچ گویا کہ تقریباً 3 فٹ پانی پائپ کے اوپر بھیج سکتا ہے اور اس سے زیادہ اونچائی پر پہنچانے کی قوت اس میں نہیں ہے۔

اس تجربہ سے پمپ کی ناکامیابی کی وجہ معلوم ہو جانے کے علاوہ ہوا کے دباؤ کو ناپنے کا طریقہ بھی دکھلانے کا موقع ملا۔ جلد ہی ٹوری سیلی کی پارے میں الٹی ہوئی نلی ہادیامیٹر (Barometer) کے نام سے مشہور ہو گئی۔ اور ہم آج تک ہوا کے دباؤ کو اس طرح سے بتاتے ہیں کہ یہ پارے کا اتنا بڑا کالم روکے گا جو انچوں تک اونچائی دکھاتا ہے۔

1644ء کے آس پاس یہ حقیقت کہ ہوا دباؤ ڈالتی ہے ایک نوجوان فرانسیسی سائنس دان بلیس پاسکل (Blaise Pascal) کے علم میں آیا جو کہ رائن (Rouen) میں رہتا تھا۔ وہ اس بیان پر غور و فکر میں ڈوب گیا کہ ہم سمندر کے پینڈے میں رہتے ہیں جس میں بلاشبہ وزن ہے۔ اس نے خیال پیش کیا کہ اگر یہ نظریہ صحیح ہے تو جتنی کو ہمارے اوپر ہوا کی ہوگی۔ اتنی ہی کسی ہمارے اوپر ہوا کے دباؤ کی ہوگی۔ اس لیے اگر ایک ہیرومیٹر ٹیوب (ہیرو ٹوریسیلی کا آلہ) کو زیادہ اونچائی تک لے جایا جائے جیسے ایک اونچے مینار پر ٹیوب میں پارے کے کالم کی لمبائی کم ہو جانا چاہیے۔

اس نے فیصلہ کیا کہ گر جاگھر کے مینار پر لے جا کر دیکھا جائے کہ ہیرومیٹر کے پارے کے کالم کی اونچائی میں کمی بیشی ہوتی ہے یا نہیں۔ اس نے مشاہدہ کیا کہ مینار اتنا اونچا نہیں ہے کہ وہ کوئی قطعی نتیجہ برآمد کر سکے۔ اس لیے اس نے اپنے وطن کے پہاڑوں میں یہ تجربات کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ کلیر ماؤنٹ (Clermont) دیہات (رہنے والا تھا۔ یہ دیہات پیرس سے تقریباً دو سو میل جنوب میں تھا۔ یہ گاؤں ایک پہاڑ پیوڈی ڈوم (Puy De Dome) کے نشیب میں واقع تھا۔ یہ پہاڑ تین ہزار فٹ اونچا ہے۔

پاسکل ایک بیمار آدمی تھا۔ اس کے ڈاکٹروں نے مشورہ دیا کہ وہ کسی سخت محنتی کام سے پرہیز کرے۔ اس لیے اس نے اپنے سالے کو اس کے لیے تیار کیا تاکہ یہ تجربہ وہ اپنے بجائے اپنے سالے سے کرا سکے۔ سالے کا نام ایم پیرر (M. Perrier) تھا جو کلیر ماؤنٹ میں رہتا تھا۔

19 ستمبر 1648ء کو پیوڈی ڈوم پہاڑ کی چوٹی کو صبح ۵ بجے بارلوں کے پار دیکھا جاسکتا تھا اس لیے موسیو پیرر نے اس دن تجربہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے اپنے دوستوں کو جمع کیا اور ۸ بجے صبح تک پانچ آدمی جمع ہو گئے جو

اپنے پیشوں میں ممتاز تھے اور سبھی سائنس میں دلچسپی رکھتے تھے۔ وہ کبھی کوہ پیما کی لیے تیار ہو گئے۔

موسیو نے اپنے ساتھ کانچ کے دو ٹیوب لیے جو کہ چار فٹ لمبے تھے اور جن کا ایک سرابند تھا۔ 20 پیالے لیے اور تقریباً 16 پونڈ پارہ۔ پہاڑ کی اوپری سطح پر پہنچ کر اس نے ٹورسیلی کا تجربہ ایک کانچ کی ٹلی اور پارے سے کیا اور دیکھا کہ پارے کے کالم کی اونچائی ۴۶.۳ انچ تھی۔

اس نے یہ تجربہ دوسرے ٹیوب سے دہرایا اور اپنے آپ کو مطمئن کر لیا کہ ہر ایک ٹیوب میں کالم کی اونچائی ایک سی تھی۔

پانچوں آدمی پیوڈی ڈوم کی چوٹی کی طرف روانہ ہوئے اور ایک الٹی ٹیوب کو اپنے دوست کے پاس چھوڑ گئے۔ جس نے اپنے آپ کو اس خدمت کے لیے پیش کیا کہ وہ باقاعدگی سے تمام دن کالم کی اونچائی کو ناپتا رہے گا۔ چوٹی تقریباً تین ہزار فٹ اونچی تھی۔ وہاں پہنچنے پر ان لوگوں نے ٹورسیلی کے تجربہ کو دہرایا اور دیکھا کہ پارے کی اونچائی ۲۳.۲ انچ تھی۔ اس سے پتہ چلا کہ کالم کی اونچائی میں چلنے کے مقام کے مقابلے میں ۳۶.۲ انچ کی ہو گئی ہے۔ انہیں امید تھی کہ پہاڑی کی چوٹی پر جا کر فرق ضرور آئے گا۔ لیکن دباؤ پیما (ایڈیکس) میں اتنا بڑا فرق پا کر انہیں یقین نہیں آیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ تجربہ مختلف طریقوں سے اور مختلف جگہوں پر کیا جائے۔ انہوں نے یہ تجربات پہاڑ کی چوٹی پر ایک چھوٹے بجلی گھر اور اسی علاقے میں مختلف مقامات پر کیے۔ یہاں تک کہ انہوں نے انتظار کیا کہ پہاڑ پر کھراچھا جائے۔ اور پھر تجربہ دہرایا لیکن ہر جگہ چوٹی پر کالم کی اونچائی ۲۳.۲ انچ تھی۔

اب وہ نیچے اترنے لگے جب وہ اس مقام پر پہنچے جو تقریباً آدھی دوری پر تھا تو انہوں نے تجربہ کو دہرانے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے مشاہدہ کیا کہ کالم کی اونچائی ۲۵ انچ ہو گئی ہے۔ چلنے کے مقام پر پہنچنے پر انہوں نے ٹیوب کو پھر چپک کی اور دیکھا کہ شمار یہی ہے یعنی ۴۶.۳ انچ۔

دوسری صبح پہاڑ کی چوٹی پر واقع اورٹری (priest of the Oratory) کے پادری نے فرمائش کی کہ اس تجربہ کو کلیئر ماؤنٹ کے نوٹری ڈوم کے اونچے مینار کی سب سے اونچی منزل میں دہرایا جائے۔ وہاں پر شمار کرنے سے ۱۱۰.۲ انچ کا فرق تھا۔ مینار تقریباً ۱۲۰ فٹ بلند تھا۔

تجربات کے نتائج کو پاسکل کے پاس بھیج دیا گیا۔ اس نے فوراً ان تجربات کو پیرس کے بلند مینار پر دہرایا۔ اسے بھی تقریباً وہی نتائج ملے جو کہ اس کے سالے کو حاصل ہوئے تھے۔

پاسکل کے ان تجربات سے بلاشبہ یہ ظاہر ہو گیا کہ گیلیلیو کا یہ نظریہ کہ ہوا میں وزن ہوتا ہے، صحیح تھا۔ اور ہم ہوا کے سمندر کی تہہ میں رہتے ہیں جو ہم پر دباؤ ڈالے ہوئے ہے۔ ان تجربات سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ ٹوریسیلی کی نلی کو پہاڑوں کی اونچائی یا ایٹی ٹیوڈ (high or attitude) کے ناپنے کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے اور کرہ فضائی (Atmospheric Pressure) میں ہوا کے دباؤ کے ناپنے کے لیے بھی۔

الف و م

درہا	-	دل کو مونہ والی
خلا	-	خالی مقام
دہشت	-	گھبراہٹ
عقیدہ	-	پختہ خیال
سرا	-	کنارہ
جزو	-	کھڑا
پر کرنا	-	بھرنا
ڈیوک	-	نواب
پادری	-	عیسائی مذہب کا عالم
عموماً	-	عام طور سے
فٹ	-	دوری یا گہرائی ناپنے کی اکائی
نقص	-	کی
اطلاع دینا	-	خبر کرنا
سبب	-	وجہ
ذی حیثیت	-	حیثیت والے، امیر لوگ
سرپرست	-	گارجین
معقول	-	مناسب
سکھروش	-	ریٹائر

توجہ	-	دھیان
رجوع کرنا	-	لوٹنا، توجہ کرنا
وضاحت	-	تفصیل، واضح کرنا
فلاسفہ	-	فلسفہ کا ماہر
ہذاست خود	-	اپنے آپ میں
ضعیف	-	کمزور
ریق	-	پہننے والا مادہ
منقسم	-	تقسیم ہو جانا
اوندھا کرنا	-	الٹا دینا
زیر سطح	-	سطح کے نیچے
اشیاء	-	شے کی جمع بمعنی چیز
وثوق	-	یقین
قوت	-	طاقت
سائنس داں	-	سائنس کا علم جاننے والا
قلبی نتیجہ	-	فیصلہ کن نتیجہ

آپ نے پڑھا

□ یہ عقیدہ کہ قدرت خدا کو ناپسند کرتی ہے پپ کی کارکردگی کی بنیاد ہے۔ اس سلسلے میں تجربات سترہویں صدی کے آخری میں ہوئے۔

□ باریا کی تیاری میں ٹورنسیلی، گیلیلیو، پاسکل، موسیو وغیرہ کے تجربات نے اہم حصہ لیا اور یہ ثابت ہو گیا کہ ہوا میں وزن ہوتا ہے اور ہم ہوا کے سمندر کی تہہ میں رہتے ہیں جو ہم پر دباؤ ڈالے ہوئے ہے۔



آپ بتائیے

1. زیر نصاب مضمون کے مصنف کا نام لکھیے۔

2. یہ مضمون کس زبان سے ترجمہ ہے؟
3. اس مضمون کے مترجم کون ہیں؟
4. کس موضوع پر یہ مضمون لکھا گیا ہے؟

مختصر گفتگو

1. اس مضمون کا تعلق کس ملک سے ہے؟ مختصر اعلان کیجیے۔
2. اس مضمون میں کن سائنس دانوں کا تذکرہ ہے سہوں کے نام لکھیے۔
3. اس مضمون کی افادیت پر پانچ جملے لکھیے

تفصیلی گفتگو

1. فرانس میں سائنسی ترقی پر ایک مضمون لکھیے۔
2. سائنس کی روشنی میں اس مضمون کا مرکزی خیال پیش کیجیے۔
3. درج ذیل کی تعریف کیجیے۔

پارہ، دہاؤ، خلاء، سطح، بادِ پیا، رقیق، حجم، ہیر و میٹر

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے سائنسی آلات کی ایک نمائش لگائیے۔
2. طلبہ کے ساتھ پارے کی کارکردگی پر ایک مباحثہ کیجیے۔

ناول

ناول نگاری ادب کی ایک شاخ ہے۔ ہماری زندگی، ماحول اور روزمرہ کے معاملات کی عکاسی اس فن کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ ناول مغربی ادب کی دین ہے۔

فیلڈنگ نے ناول کی تعریف اس طرح کی ہے۔ 'ناول نثر میں ایک طرحیہ کہانی ہے۔' یعنی اس کے نزدیک المیہ کہانی ناول کے موضوع سے باہر ہے۔ فیلڈنگ کی یہ تعریف وقع اور جامع نہیں۔ انگلستان کی ایک ادیبہ کلارا دیوڈ اس فن کی تعریف کرتے ہوئے کہتی ہے۔ 'ناول اس زمانے کی زندگی اور معاشرت کی سچی تصویر ہے جس زمانے میں وہ لکھا جائے۔' غرضکہ ناول نگاری کا مقصد حقیقی زندگی کی ترجمانی ہے گویا ناول حیات کی تعبیر پیش کرتا ہے۔

ناول کے اجزائے ترکیبی درج ذیل ہیں:

پلاٹ، کردار، ماحول، مکالمہ، جذبات نگاری، فلسفہ حیات، زبان

اردو ناول کے فن کو فروغ دینے والوں میں مولوی نذیر احمد، رتن ناتھ سرشار، عبدالحلیم شرر، راشد الخیری، محمد طیب، مرزا محمد ہادی رسوا قابل ذکر ہیں۔ ان کے بعد کی نسلوں میں کرشن چندر، ممتاز مفتی، عبداللہ حسین، قرۃ العین حیدر، عصمت چغتائی، رامانند ساگر، خدیجہ مستور، رضیہ سجاد ظہیر، رضیہ فصیح احمد، صالحہ عابد حسین، جیلانی ہانو، آمنہ ابوالحسن، عبدالصمد، غنصفر، مشرف عالم ذوق اور حسین الحق وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ اس کے بعد بھی ناول نگاروں کی ایک طویل فہرست ہے جو اس فن کو جلا بخشنے میں ہمہ تن مصروف ہیں۔

رتن ناتھ سرشار



سرشار کا اصل نام پنڈت رتن ناتھ تھا اور سرشار ٹخلص رکھنے چلے۔ ان کی پیدائش 1847ء میں لکھنؤ میں ہوئی۔ سرشار کے والد کا نام پنڈت تیج بہادر تھا۔ سرشار کشمیر کے باعزت برہمن خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ سرشار کی عمر صرف چار سال کی تھی کہ پنڈت تیج بہادر کا انتقال ہو گیا۔ چنانچہ سرشار کا بچپن اپنی ماں کے ہاتھ گزرا۔ ماں کو سرپرستی میں سرشار نے ابتدائی تعلیم حاصل کی۔ عربی، فارسی اور اردو زبانیں سیکھیں۔ سرشار بچپن ہی سے ذہانت اور جودت طبع سے آراستہ تھے۔

سن شعور کو پہنچنے کے بعد سرشار نے اینگلو عربک کالج لکھنؤ میں داخلہ لیا۔ لیکن طبیعت میں لاپرواہی پن تھا۔ اس لیے بغیر کوئی سند لیے ہی کالج کو خیر باد کہہ دیا۔ جب فکر معاش دامن گیر ہوئی تو کھیری ضلع کے ایک اسکول میں معلم ہو گئے۔ وہاں سے سرشار کی ادبی زندگی کا آغاز ہوا۔ اسی دوران انہوں نے ایک کشمیری رسالہ 'مراسلہ کشمیری' کے لیے مضامین لکھنا شروع کیا۔ اس کے علاوہ دیگر رسائل کے لیے بھی مضامین لکھتے تھے۔ ان مضامین کی وجہ سے ایک ادیب کی حیثیت سے سرشار ایک پہچان بن گئی۔

اسکول کی ملازمت میں قلیل مدت تک رہ کر سرشار لکھنؤ واپس آ گئے۔ فنی نول کشور سے ملاقات ہوئی اور 'اودھ اخبار' کے مدیر ہو گئے۔ اسی زمانہ میں 'فسانہ آزاد' کی تصنیف کا آغاز ہوا۔ یہ مضمون 1878-79ء میں ایک سال تک مسلسل شائع ہوا۔ پھر 1880ء میں کتابی شکل میں بھی شائع ہو گیا۔ سرشار کی مشہور تصانیف میں 'فسانہ آزاد' کے علاوہ جام سرشار، سیر کہسار اور کامنی وغیرہ ہیں۔ لیکن 'فسانہ آزاد' کی وجہ سے سرشار کو لازوال ادبی شہرت حاصل ہوئی۔

1894ء کے آس پاس سرشار 'اودھ اخبار' کی ادارت سے سبکدوش ہو کر حیدر آباد چلے گئے۔ وہاں سرشار کو فراغت خوش حالی کی زندگی حاصل ہوئی۔ شاندار مستقبل اور شہرت کے دروازے کھلے ہوئے تھے لیکن خوش حالی کا ایک مٹتی ہوئی سامنے آیا کہ سرشار وہاں کی خوش حالی میں بے نوشی سے سرشار ہو گئے جس نے سرشار کی تخلیقی قوتوں کو رفتہ رفتہ سلب کر لیا۔ یہاں تک کہ سرشار کی صحت تیزی سے گرنے لگی اور 55 سال کی عمر میں 31 جنوری 1903ء کو وہیں ان کا انتقال ہو گیا۔

عجرت اور نصیحت

لیب چشمہ سار، لطافت بار، ایک گلشن پر بہار، روکش گزار، فرخار میں، ایک پری تمثال جادو جمال نو جوان عورت، تہذیبی بڑی دھوپ پر سفید چاندنی بچھائے بھد ناز و انداز درہائی و شان برنائی متمکن ہے۔ سامنے ایک ادھیڑ عورت کھڑی باتیں کر رہی ہے۔ نو جوان عورت کی باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی بڑی مصیبت سے بچ نکلی ہے۔ ہنس ہنس کر اپنی پچھلی مصیبت کی نسبت گفتگو کرتی ہے۔

نو جوان: (نو) اف بڑی مصیبت سے اللہ نے بچایا۔

خادمہ: کیسی کچھ

نو جوان: مگر سچ کہنا، کیا تہذیب سوچھی ہے۔ کیوں؟

خادمہ: اللہ جانتا ہے، اور کیوں کونہ سوچتی۔

نو جوان: مگر پتہ لگاتے رہیں گے، اب کیا کیفیت ہے۔

خادمہ: میں روز روز کا کچا چٹھا سناؤں گی۔

نو جوان: ہاں خوب یاد آیا۔ تم سے کیا واسطہ، مرے تو ہم۔

خادمہ: اللہ نہ کرے۔

نو جوان: اف! اس وقت تم سے ہنسی کیوں کر ضبط ہو سکی۔

خادمہ: بھئی مارے کسی کے برا حال تھا، اور ان کی یہ کیفیت کہ ڈھاڑیں مار مار کر روتیں۔ تو میں سمجھاؤں، کہ دیکھو دیکھو ایسا نہ ہو سب راز کھل جائے کہ زہر کھایا ہے۔ بڑی دل لگی ہوئی۔ چہرہ زرد ہو گیا، اور ایک دفعہ بڑی زور سے آہ سرد بھر کر غرہ مارا، اور گر پڑے کہا، ہائے افسوس اس کے پیچھے اوقات ضائع کی، مگر نتیجہ یہ نکلا۔ بڑی دیر تک لڑتے رہے، کہ میں بھی ساتھ چلوں گا میں نے کہا کچھ خبر ہے میاں۔ ہوش کی دوا کرو۔ ہم اسے اللہ جانے کس تہذیب سے دفنائیں۔ کس راہ سے جنازہ لے جائیں۔ ہمارا گاؤں، ہمارا محلہ، تم لاش لے کر نکلو، تو محلے بھر میں ہلو بچ

جائے۔ بہت روئے پیٹے۔

نوجوان: ان کو اپنے تن بدن کی تو سدھ ہی نہیں۔ میں کھانا نہ دیتی تو دو دو دن تک فاقہ ہی کرتے۔ جب کہوں، کھانا کھا لو کہیں، خدمت گار کو بلاؤ، افضل، تفضل، فضل، یہ وہ۔ خدا جانے کیا کیا بکتے تھے۔ واہی بتا ہی۔ ایک دن کہہ بیٹھے کہ تم ہو کیا بے چاری۔ میں ایسی بری کے ساتھ نکاح کروں کہ تم بھی شرمایاؤ۔ بس دل پر ملال گذرا۔ دن میں سو سو بار بے ہودہ بکس۔ ہاتھی لاؤ، گھوڑا کرو، بگھی نکالو۔ ایسی توبہ ناک میں دم کر دیا۔ مارے رنج کے کھانا پینا حرام تھا۔ مارے خدا خدا کر کے مصیبت سے بچی۔

خادمہ: ہاں یہ تو بچ، مگر آپ نے اچھا نہ کیا۔

نوجوان: یہ کیوں؟

خادمہ: ہم ہوتے تو ضرور نکاح کر لیتے۔ آدمی صورت دار، ہزاروں روپیہ پاس، شریف، پڑھا لکھا، بد نہیں، مفت میں ایسے روپے والے کو ہاتھ سے کھو دیا۔ کوئی پوچھے ملا کیا تم کو۔ نوجوان عورت نے اس فقرے پر آہ سرد بکھنچ کر کہا، تم کو کیا معلوم کہ ہم نے کس کو دل دیا ہے۔ اس کو دل دیا ہے جو اپنا دل کسی اور ہی کو دے چکا، مگر خیر خدا ہمارا بھی مالک ہے۔ یہ ایک راز کی بات ہے۔ ہم کسی پر ظاہر نہ کریں گے۔

ناظرین باہمکین سمجھ ہی گئے ہوں گے کہ یہ دونوں عورتیں کون ہیں، ان میں ایک جوگن ہے دوسری چمپا۔ اب اکثر اصحاب کو حیرت ہوگی کہ جوگن تو مر گئی تھی۔ انھوں نے زہر کھایا تھا۔ چمپا کا بھالی لاش کو دفنا آیا تھا۔ یہ پیدا کہاں سے ہو گئیں۔ سبب سنئے۔

حقیقت حال یوں ہے کہ جوگن نے چمپا کے ذریعہ سے ایک شخص کو بلایا تھا وہ موم کے کھلونے بنانے میں طاق تھا۔ جوگن نے اس کو بلا کر کہا کہ ایک عورت بنالاد۔ مگر ہاتھ پاؤں، نقشہ، چہرہ قد و قامت، بعینہ ہمارا ہی سا ہو۔ چنانچہ وقت مقررہ پردہ لے آیا۔ جوگن چلی گئی۔ چمپا نے ایک چادر اوڑھادی اور چراغ گل کر دیا۔ باقی حال ناظرین کو خود ہی معلوم ہے۔

ناظرین کو یاد ہوگا کہ چمپا بار بار کہتی تھی کہ آپ ساتھ نہ چلئے، آپ الگ ہی رہئے، آپ غل نہ چپائیے۔ بڑی حسن لیاقت سے چمپا نے موم کی عورت کو اٹھوایا۔ شہسوار کو ذرا بھی نہ معلوم ہو کہ انھوں نے کیا کاروائی کی ہے۔

جوگن: میں اپنا حال کیا بتاؤں۔ میری تقدیر نے کس قدر پلٹے کھائے۔ افسوس پہلے کیا تھی پھر کیا ہوئی۔ اب کیا ہوں اور آئندہ خدا جانے کیا ہو، بے حیائی کی زندگی ہے کائے نہیں نکلتی۔

سنو چچا! اللہ جانتا ہے کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ ہم فنس پر سوار ہو کر ٹھسے سے ٹکلتے تھے۔ بارہ بارہ سولہ سولہ کبار فنس اٹھاتے تھے اور یا ایک زمانہ اب ہے۔ ایک وہ وقت تھا کہ لونڈیا اور اسیلین تھیں۔ یا اب ایسا وقت آن پڑا۔ ہائے یہ سب ہماری حماقت اور آوارگی کا نتیجہ ہے۔ نہیں تو یہ دن ہم کیوں دیکھتے۔ اور اس میں ہمارے والدین کا بھی قصور تھا کہ ایک سن رسیدہ آدمی سے بیاہ کر دیا جس کے منہ میں دانت نہ پیٹ میں آنت۔ ہماری زندگی تلخ کر دی۔ فعل بد کا نتیجہ بھی بد ہے۔ ہائے ستم! میں نے کیا کیا۔ اس وقت اگر مجھے یہ معلوم ہوتا کہ میری یہ درگت ہوگی تو کیوں ایسا کرتی۔

چچا: بیوی جو کچھ آپ نے کہا سو کیا۔ ہمیں اس کا حال نہیں معلوم مگر بہت برا کیا کہ اس خوبصورت روپے والے کے ساتھ نکاح نہیں پڑھوایا۔ اب بھی سویرا ہے اور وہ آپ پر جان دیتا ہے۔

جوگن: چچا تم کو ہمارے بھید سے اطلاع ہوتی، تو تم ایسا نہ کہتیں۔

چچا: اب لے مجھے کیا معلوم۔

جوگن: ہائے افسوس میں نے کیا کیا۔ بڑی بری گھڑی تھی۔ یا خدا جو گت میری ہوئی۔ کسی شریف زادی کی نہ

ہو۔

یہ کہہ کر جوگن بہت روتی۔ چچا نے لاکھ لاکھ سمجھایا مگر آنسو نہ رکے۔ کیوں کر رکتے خدا جانے کیا آیا تھا

تھمتے تھمتے تھمتے گئے آنسو

رونا ہے یہ کچھ ہنسی نہیں ہے

جوگن نے چچا سے کہا، تم مجھے سمجھاتی کیا ہو، میری قسمت میں یہی لکھا ہے کہ میں عمر بھر ردیا کروں۔ میں اپنی حماقت اور بے وقوفی اور غلطی پر روتی ہوں۔ یا خدا! کبھی کوئی شریف زادی ایسی مصیبت میں مبتلا نہ ہو۔ چچا متحیر تھی۔ اس کو جوگن کے درد دل کی خبر نہ تھی۔ بہ اصرار کہا کہ بیوی اب کسی اور بات کا ذکر چھیڑو۔ اللہ جانے آپ کو اس وقت کیا یاد آیا میری عقل ہی نہیں کام کرتی۔

یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ کسی شخص نے یہ شعر پڑھ لیا

نہ داغ یاس سے گھبرا آئے گی امید

گلوں کے بعد ہوا کرتے ہیں شمر پیدا

جوگن نے جو یہ شعر سنا تو ذرا ڈھارس ہوئی۔ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کہ یہ آواز کہاں سے آئی آخر کار ایک پیر مرد نظر آیا۔ جوگن اور پیر مرد کی آنکھیں چار ہوئی تو پیر مرد نے جوگن سے کہا اگر مضائقہ نہ ہو تو میں تیرے قریب آن کر بیٹھوں ورنہ خیر۔

جوگن: زہے نصیب آئیے۔

پیر مرد: میں بڑی دیر سے دیکھ رہا ہوں کہ تو اپنا حال تباہ کرتی ہے۔ دو گھنٹے سے زار زار روتے دیکھا۔ اس کے دو ہی سبب ہیں، یا فراق دورداشت یا فراق بد پر نفس کو لعنت و ملامت کرتی ہے۔

جوگن: ہاں کچھ ایسا ہی ہے۔

جوگن نے کہا جب میں نے آپ کو دیکھا تب بھی ڈر گئی تھی وجہ یہ کہ آپ کے نہ داڑھی ہے اور نہ مونچھ اور پوشاک بھی دنیا سے نرالی ہے۔ پیر مرد نے مسکرا کر کہا۔ ہاں ہے تو ایسا ہی، مگر میری شکل اور وضع کا خیال نہ کرو۔ میری نصیحت پر دھیان رکھو۔

یہ کہہ کر پیر مرد نے جوگن سے التجا کی، کہ اگر جی چاہے اور عیب نہ سمجھو تو میرے ساتھ میرے گھر چلو۔

جوگن: کوئی عذر نہیں۔

پیر مرد: جھپٹے وقت چلو۔

جوگن: جب حکم ہو۔

جب آفتاب لبِ بام آیا تو پیر مرد جوگن کو لے کر اپنے گھر کی طرف چلے، چپا ساتھ ساتھ تھی۔

چپا: کیا آپ کا مکان یہاں سے دور ہے؟

پیر مرد: نہیں پاس ہی ہے۔

چپا: پیسہ ڈولی، ٹکا ڈولی۔

پیر مرد: دو قدم ہے۔

جوگن: اس قدر بتا دیجیے کہ وہاں کون کون ہوگا؟

پیر مرد: میں اور ایک خادمہ۔

جوگن: بس تو پھر کیا حرج ہے۔

تھوڑی دیر میں پیر مرد نے کہا: 'لو یہ مکان ہے۔ جوگن اور چمپا کو لے کر اپنے مکان میں داخل ہوئے اور کہا کہ تم دونوں یہاں صحن میں مونڈھوں پر بیٹھو۔ میں آتا ہوں ابھی ابھی آیا یہ کہہ کر پیر مرد دالان کے اندر گئے، چراغ روشن ہوا، اور خادمہ نے آن کر کہا چلیے آپ کو بلاتے ہیں اور چمپا سے کہا تم یہیں بیٹھی رہو۔ جوگن جانے لگی تو چمپا نے کان میں کہا کہ ہمیں کچھ دال میں کالا کالا معلوم ہوتا ہے۔ اکیلا مکان، تیرہ و تار یک چراغ اب روشن ہوا۔ کبھی کی جان نہ پہچان۔ آپ نہ جائیے تو اچھا۔

جوگن: گھبراؤ نہیں خدا مالک ہے۔

چمپا: جیسی خوشی ہو۔

جوگن بے جھجک کمرے کے اندر چلی گئی۔ دیکھا کہ صاف ستھرے کمرے میں فرش مکلف بچھا ہے۔ چراغ روشن ہے۔ مگر مکین ندارد خادمہ سے پوچھا پیر مرد کہاں گئے۔
خادمہ: (مسکرا کر) آتے ہیں۔

اتنے میں جوگن کیا دیکھتی ہے کہ ایک بوڑھی عورت کوٹھری میں سے برآمد ہوئی۔ جوگن کے پاس آن کر بیٹھی۔
جوگن نے کہا: آئیے۔ کیا آپ بھی ایسی مکان میں رہتی ہیں۔

ضعیفہ: پہچانا؟

جوگن: کبھی دیکھا ہوں تو پہچانوں۔ بن دیکھے کوئی کسی کو کیا پہچانے۔

ضعیفہ: مجھ کو دیکھا ہے آپ نے۔

جوگن: دیکھا ہوگا یاد نہیں آتا۔

ضعیفہ: سوچیے، غور کیجیے۔

جوگن: (خادمہ سے) پیر مرد کو بلاؤ۔ کہو صاحب اب آئیے۔

خادمہ: (ہنس کر) بہت خوب بلاتی ہوں۔

جوگن: اس میں ہنسی کی کوئی بات تھی۔ میں سمجھی نہیں۔

خادمہ: حضور کس کو بلواتی ہیں؟

جوگن: وہ جو پیر مرد ہمارے ساتھ آئے تھے۔ ہم کو ساتھ لائے تھے۔

خادمہ: وہ یہ کیا بیٹھے ہیں۔ (مسکرا کر) ہیں کہ نہیں۔

ضعیفہ: میں نے تو عمداً پوچھا کہ پہچانا۔ میں پیر مرد نہیں عورت ہوں۔

جوگن: میں نے تو پہلے ہی کہا تھا آپ سے کہ داڑھی نہ مونچھ اور مردانہ وضع بھی عجیب و غریب، مگر نہیں سمجھی تھی کہ مرد نہیں ہیں۔ اچھا دھوکہ ہوا۔ آپ عورت ہیں۔

ضعیفہ: اب تم چین سے یہاں رہو اور جو کہنا، سننا، اور پوچھنا مشورہ لینا ہو، میں حاضر ہوں۔

سنو اب میں تم سے اپنا حال صاف صاف بیان کر دوں۔ میرا خاص پیشہ یہ ہے کہ شریفوں کی بہو بیٹیوں کو امور نیک کی تعلیم دوں، اور سیدھے دھڑے پر لگاؤں تم دس پندرہ ہی دن اگر میرے ساتھ رہو گی تو سب حال تم پر کھل جائے گا کہ میں کیا کاروائی کرتی ہوں۔ اور کن کن شریف خاندانوں میں میرا گزر ہے۔ سب لوگ مجھ کو استانی بی بی کہتے ہیں۔

منجملہ اور خاندانوں کے استانی جی نے حسن آرا اور سپہر آرا کا بھی ذکر کیا کہ ان کے یہاں بھی میں جاتی آتی ہوں۔ جوگن ان دونوں کا نام سن کر چونک پڑی۔ متحیر ہو کر پوچھا کہ آپ ان کو جانتی ہیں؟

استانی: بخوبی دونوں بہنوں کو مثل اپنی خاص لڑکیوں کے سمجھتی ہوں۔

لفظ و معنی

برآمد ہونا	-	لکنا
فرش مکلف	-	سجایا ہوا فرش
خادمہ	-	خدمت کرنے والی، دایہ
پیر مرد	-	بوڑھا مرد
لب، چشمہ سار	-	چشمہ کی طرح ہونٹ
پری تمثال	-	پری کی طرح
دوب	-	گھاس

بصد ناز و انداز	-	سینکڑوں، ناز و نخرے کے ساتھ
متمکن	-	چاوہ افروز
لربائی	-	محبوب کا انداز
کیفیت	-	حالت
واسطہ	-	تعلق
ضبط ہونا	-	برداشت ہونا
ڈھانچیں مار کر رونا	-	زار و قطار رونا
چہرہ زرد ہونا	-	گھبراہٹ سے پیلا پڑ جانا
اوقات ضائع ہونا	-	وقت برباد ہونا
ہلچل مچنا	-	ہنگامہ ہونا
فاقہ ہونا	-	بھوک مرنا
واہی جاہی	-	فضول بکواس
ناک میں دم کرنا	-	پریشان کرنا
رنج	-	تکلیف
ناظرین	-	پڑھنے والے، دیکھنے والے
سبب	-	وجہ
چراغ گل ہونا	-	چراغ بجھا دینا
غل مچانا	-	ہنگامہ کرنا
حسن لیاقت سے	-	ایچھے طریقے سے
ٹھسے سے کلنا	-	شان سے کلنا
اصل	-	لوٹڈی، کنیر
فعل بد	-	برا کام
ستم	-	ظلم

آپ نے پڑھا

□ آپ نے سرشار کے لکھے ہوئے ایک ناول کا تھوڑا سا حصہ پڑھا جس میں ایک خادمہ اور اس کی مالکن یعنی جوگن اور چمپا کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ بعد میں ایک بوڑھی عورت بھی سامنے آتی ہے جو اس جوگن کی اصلاح کے لیے کمر بستہ ہے۔

آپ بتائیے

1. سرشار کی پیدائش کب ہوئی؟
2. سرشار کا تعلق کس خاندان سے تھا؟
3. سرشار کا اصل نام کیا تھا؟
4. نسانہ آزاد کے مصنف کون ہیں؟
5. سرشار کا انتقال کہاں اور کب ہوا؟

مختصر گفتگو

1. سرشار کا مختصر خاندانی پس منظر بیان کیجیے۔
2. سرشار کی تصنیفات کا تذکرہ کیجیے۔
3. اودھ اخبار سے سرشار کے تعلقات کا مختصر تذکرہ کیجیے۔

تفصیلی گفتگو

1. سرشار کی زندگی کے حالات بیان کیجیے۔
2. سرشار کی نثر نگاری کا عمومی جائزہ لیجیے۔
3. اردو میں ناول نگاری پر ایک مضمون سپرد قلم کیجیے۔

آئیے، کچھ کریں

1. اپنے استاد کی مدد سے غیر مسلم اردو شعرا و ادبا کی ایک فہرست تیار کیجیے۔
2. طلبہ کے ساتھ لائبریری میں جا کر اردو داستانوں کی ایک فہرست بنائیے۔

مضمون

کسی خاص موضوع پر جو تحریر لکھی جائے اسے ادبی اصطلاح میں مضمون کہتے ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے Essay لفظ مخصوص ہے۔

مضمون کے متعدد اقسام ہیں اور اکثر موضوع یا انداز تحریر کی وجہ سے انہیں الگ سے پہچانا جاتا ہے۔ جس تحریر میں شعروادب کی تفہیم اور تعبیر و تشریح کی جائے، اسے تنقیدی مضمون کہا جاتا ہے۔ جس تحریر میں لکھنے والے کا نظر علمی ہو، اسے علمی مضمون کہا جائے گا۔ جس مضمون میں مضمون نگار طریقانہ رخ اختیار کرے، اسے طریقانہ مضمون کہا جائے گا۔ اس طرح انشائیہ بھی مضمون کی ایک قسم ہے۔

غیر افسانوی نثر میں مضمون نویسی کی اہمیت مسلم ہے۔ سر سید احمد خاں سے لے کر مہدی افادہ تک ہر ادیب نے مضامین لکھے۔

حالات اور ضرورت کے تحت اس صنف کی نئی قسمیں بنتی رہی ہیں۔